معیشت واقتصاد

مولانا حافظ ذوالفقار علی
ابوہریرہ شریعہ کالج، لاہور

بیع سَلَم کے اُصول اور اسلامی بنک

بعض اسلامی بینکوں میں تمویلی سرگرمیوں کے لئے بیع سلم کا استعمال بھی جاری ہے۔ سَلَم ایک معروف شرعی اصطلاح ہے جس سے مراد لین دین اور خرید وفروخت کی وہ قسم ہے جس میں ایک شخص یہ ذمہ داری قبول کرتا ہے کہ وہ مستقبل کی فلاں تاریخ پر خریدار کو ان صفات کی حامل فلاں چیز مہیا کرے گا۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

وَالسَّلَمُ شَرْعًا بَيْعٌ مَوْصُوْفٌ فِي الذِّمَّةِ (فتح الباری:۴/۵۴۰)

''سلم کا شرعی معنی: ایسی چیز بیچنے کی ذمہ داری اُٹھانا ہے جس کی صفات بیان کر دی گئی ہوں۔''

اس کو سَلَف بھی کہتے ہیں کیوں کہ اس میں بیچی گئی چیز کی قیمت معاہدے کے وقت ہی ادا کر دی جاتی ہے۔ یعنی یہ بیع کی وہ قسم ہے جس میں قیمت تو فوری ادا کر دی جاتی ہے مگر چیز بعد میں فراہم کی جاتی ہے۔

نبی ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں بیع کی یہ صورت بھی رائج تھی۔ آپ ﷺ نے اس سے کلیۃً منع کرنے کی بجائے بنیادی اصلاحات کر کے اس کو باقی رکھا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں:

قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يُسْلِفُونَ بِالتَّمْرِ السَّنَتَيْنِ وَالثَّلاَثَ ، فَقَالَ: «مَنْ أَسْلَفَ فِي شَيْءٍ فَفِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ ، إِلَىٰ أَجَلٍ مَعْلُومٍ»

(صحیح بخاری:۲۲۴۱)

''نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ کھجوروں میں دو اور تین سال کے لئے بیع سلم کرتے تھے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: جو شخص بیع سلم کرنا چاہتا ہے، وہ متعین پیمانے اور وزن میں متعین مدت کے لیے کرے۔''

دوسری جگہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

أَشْهَدُ أَنَّ السَّلَفَ الْمَضْمُوْنَ إِلىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى قَدْ أَحَلَّهُ اللهُ فِيْ كِتَابِهٖ وَأَذِنَ فِيهِ ثُمَّ قَرَأَ ﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ﴾

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۵/۲۷۷، مستدرک حاکم: ۲/۲۵۸)

''میں گواہی دیتا ہوں کہ مقررہ مدت تک ضمانت دی گئی سلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب جائز قرار دیا ہے اور اس کی اجازت دی ہے۔ پھر اُنہوں نے قرآن حکیم کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

''اے ایمان والو! جب تم آپس میں مقررہ وقت تک اُدھار کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔''

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ کہتے ہیں:

إِنَّا كُنَّا نُسْلِفُ عَلىٰ عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ فِي الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالزَّبِيْبِ وَالتَّمْرِ (صحیح بخاری: ۲۲۴۳)

''ہم رسول اللہؐ، ابوبکرؓ اور عمرؓ کے دور میں گندم، جو، کھجور اور منقیٰ میں بیع سلم کرتے تھے۔''

شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں:

وَاتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلىٰ مَشْرُوعِيَّتِهٖ إِلَّا مَا حُكِيَ عَنْ ابْنِ الْمُسَيِّبِ (۴/۵۴۰)

''سعید بن میبؒ کے علاوہ تمام علماء اس کے جواز پر متفق ہیں۔''

سلم کی اجازت کا فلسفہ

بعض کسانوں اور مینوفیکچرز کے پاس ضرورت کے مطابق مثلاً بیج، کھاد، آلات، خام مال خریدنے اور لیبر کے لئے رقم نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کو اسلام نے یہ سہولت دی ہے کہ وہ حصولِ رقم کی خاطر اپنی فصل یا پیداوار قبل از وقت فروخت کر سکتے ہیں تاکہ قرض کے لئے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچے رہیں۔ یاد رہے کہ یہ اجازت شریعت کے اس عام اصول سے استثنا ہے کہ معدوم شے کی بیع حرام ہے، اور اس استثنا کی دلیل خود فرمانِ نبویؐ ہے۔

اس اجازت کا اِضافی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی چیز بیچنے کے لئے گاہک تلاش کرنے کی فکر سے آزاد ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کا سودا پہلے ہی ہو چکا ہوتا ہے۔ اس سے خریدار کو بھی فائدہ پہنچتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سلم میں طے کردہ قیمت ان چیزوں کی اس قیمت سے کم ہوتی ہے جو نقد ادا کی جانی ہو۔ نیز اگر چیز آگے بیچنا چاہتا ہو تو مارکیٹنگ کے لئے بھی مناسب وقت مل جاتا ہے۔

کیا سلم خلافِ قیاس ہے؟

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ شرعی اُصول کے مطابق انسان کو وہی چیز بیچنے کی اجازت ہے جو نہ صرف وجود میں آچکی ہو بلکہ اس کی ملکیت اور قبضہ میں ہو جبکہ سلم میں عقد کے وقت چیز کا وجود ہی نہیں ہوتا۔ اس بنا پر بعض فقہا نے کہا ہے کہ سلم بیع معدوم کی ایک استثنائی صورت ہے۔ مگر امام ابن قیمؒ اس سے متفق نہیں ہیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

وأما السلم فمن ظن أنه على خلاف القياس وتوهم دخوله تحت قول النبي ﷺ: «لا تَبِع ما ليس عندك» فإنه بيع معدوم والقياس يمنع منه والصواب أنه على وفق القياس فإنه بيع مضمون في الذمة موصوف مقدور على تسليمه غالبًا وهو كالمعارضة على المنافع في الإجارة وقد تقدم أنه على وفق القياس (إعلام الموقعين:۱۹/۲)

''اس کا مطلب ہے کہ جو حضرات سلم کو خلافِ قیاس سمجھتے ہیں، وہ اس کو نبی ﷺ کے اس ارشاد ''جو چیز تیرے پاس موجود نہیں، اس کو فروخت نہ کر'' میں داخل سمجھنے کی غلطی کرتے ہیں جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ قیاس کے مطابق ہے۔ کیونکہ یہ ایسی بیع ہے جس میں انسان ایسی چیز جس کو عام طور پر حوالے کر سکتا ہو، کو طے شدہ صفات کے مطابق بیچنے کی ذمہ داری اُٹھاتا ہے۔ اور اس کی مثال اِجارہ میں منفعت کا معاوضہ لینے جیسی ہے۔ اور جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اجارہ قیاس کے مطابق ہے۔''

بیع سلم کی شرطیں

اس میں ان تمام پابندیوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے جو شریعت نے عام بیع کے لئے مقرر کی ہیں، تاہم معاملہ کو غرر (دھوکہ) سے پاک رکھنے کے لئے کچھ خاص شرطیں بھی رکھی گئی ہیں۔ مثلاً

① جس چیز کا سودا کیا جا رہا ہو معاہدے کے وقت اس کی نوعیت، اوصاف، مقدار، تعداد اور مالیت کا تعین پہلے سے کیا جا سکتا ہو۔ جن چیزوں میں ایسا ممکن نہ ہو، ان میں بیع سلم جائز نہیں ہوتی جیسے قیمتی موتی، جواہرات اور نوادرات ہیں، کیونکہ ان کی اکائیاں ایک دوسرے سے کافی مختلف ہوتی ہیں۔

② جو چیز بیچی اور جو قیمت میں دی جا رہی ہو، دونوں کا تعلق ان اَموال سے نہ ہو جن میں

فوری قبضہ کی شرط ضروری ہے جیسے چاندی کے عوض سونے کی بیع یا گندم کے بدلے گندم کا سودا کیونکہ اس قسم کے تبادلہ میں فرمان نبوی کے مطابق موقع پر قبضہ شرط ہے۔

③ مکمل قیمت معاہدہ کے وقت ہی ادا کردی جائے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ سَلَّفَ فِيْ تَمْرٍ فَلْيُسْلِفْ فِيْ كَيْلٍ مَعْلُوْمٍ وَّوَزْنٍ مَعْلُوْمٍ» (صحیح بخاری:۲۲۳۹)

''جو کھجوروں میں بیع سلف کرے وہ معلوم پیمانے اور معلوم وزن میں کرے۔''

سلف 'سلم' کا ہی دوسرا نام ہے اور اس کو سلف اس لئے کہا جاتا کہ اس میں قیمت پیشگی ادا کردی جاتی ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کرآئے ہیں یعنی پیشگی قیمت کی شرط آپ ﷺ نے خود لگائی ہے۔ اور اگر پوری قیمت پہلے ادا نہ کی جائے تو یہ ادھار کا اُدھار کے ساتھ تبادلہ ہوگا جو شرعاً ممنوع ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

وَاتَّفَقُوا عَلَى أَنَّهُ يَشْتَرِط لَهُ مَا يَشْتَرِط لِلْبَيْعِ وَعَلَى تَسْلِيم رَأْس الْمَال فِي الْمَجْلِس (فتح الباری:۴/۵۴۰)

''علماء اس پر متفق ہیں کہ اس کی بھی وہی شرطیں ہیں جو عام بیع کی ہیں اور اس پر بھی متفق ہیں کہ اسی مجلس میں راس المال حوالے کرنا ضروری ہے۔''

امام شوکانیؒ لکھتے ہیں:

هذا الشرط لابد منه ولا يتم السلم إلا به وإلا كان من بيع الكالي بالكالي وقد قدمنا النهي عنه (السیل الجرار:۳/۱۵۸)

''یہ شرط ضروری ہے، اس کے بغیر سلم مکمل نہیں ہوتی ورنہ یہ اُدھار کی ادھار کے ساتھ بیع ہوگی۔ اور اس کی ممانعت ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔''

④ مدتِ حوالگی پوری طرح واضح ہو۔ اگر اس میں کسی قسم کا ابہام پایا جائے تو بیع سلم درست نہ ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نقل کرتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهٰى عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ. وَكَانَ بَيْعًا يَتَبَايَعُهُ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ كَانَ الرَّجُلُ يَبْتَاعُ الْجَزُوْرَ إِلٰى أَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ ثُمَّ تُنْتَجُ الَّتِي فِيْ بَطْنِهَا (صحیح بخاری:۱۹۹۹)

''بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے حاملہ کے حمل کی بیع سے منع فرمایا ہے۔ (نافع کہتے ہیں کہ) بیع

کی یہ صورت زمانۂ جاہلیت میں رائج تھی۔ آدمی اس وعدہ پر اونٹ خریدتا کہ جب اونٹنی جنے، پھر وہ بڑی ہو کر جنے، میں تب قیمت دوں گا''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

لَا تَبَايَعُوْا إِلَى الْحَصَادِ وَالدِّيَاسِ وَلَا تَبَايَعُوْا إِلَّا إِلٰى أَجَلٍ مَعْلُوْمٍ
(إرواء الغلیل: ۲۱۷/۵)

''فصل کاٹنے یا گاہنے تک بیع نہ کرو بلکہ متعین مدت تک کرو۔''

ان دونوں صورتوں میں چونکہ مدت میں ابہام ہے، اس لئے یہ جائز نہیں ہیں۔

⑤ مخصوص باغ یا زمین کے مخصوص قطعہ کی پیداوار میں بیع سلم نہیں ہوسکتی، کیونکہ اس میں غرر پایا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ باغ پھل نہ دے یا قطعہ زمین میں فصل ہی نہ ہو۔ زید بن سعنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

هَلْ لَكَ أَنْ تَبِيْعَنِيْ تَمْرًا مَعْلُوْمًا إِلٰى أَجَلٍ مَعْلُوْمٍ مِنْ حَائِطِ بَنِيْ فُلَانٍ قَالَ: لَا أَبِيْعُكَ مِنْ حَائِطٍ مُسَمًّى، بَلْ أَبِيْعُكَ أَوْسُقًا مُسَمَّاةً إِلٰى أَجَلٍ مُسَمًّى
(فتح الباری: ۵۴۶/۴)

''کیا آپ مجھے بنوفلاں کے باغ سے متعین مدت کے لیے متعین کھجوریں فروخت کریں گے۔ آپ نے فرمایا: متعین باغ سے نہیں بلکہ متعین وسق متعین مدت کے لیے فروخت کرتا ہوں۔''

شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ رقم طراز ہیں:

وَنَقَلَ ابْنُ الْمُنْذِرِ اتِّفَاقَ الْأَكْثَرِ عَلٰى مَنْعِ السَّلَمِ فِيْ بُسْتَانٍ مُعَيَّنٍ لِأَنَّهُ غَرَرٌ

''ابن منذر نے متعین باغ میں سلم کی ممانعت پر اکثر کا اتفاق نقل کیا ہے۔'' (ایضاً)

ڈاکٹر علامہ محمد سلیمان اشقر لکھتے ہیں:

''دورِ حاضر میں اس کی بعض صورتوں میں نظر ثانی ہونی چاہیے، کیونکہ بعض بڑی بڑی فیکٹریاں ایسی ہیں جن کی مصنوعات بہت زیادہ پھیلی ہوئی ہیں اور ان کی مصنوعات میں ایسی خوبیاں ہیں جو دوسری فیکٹریوں کی مصنوعات میں نہیں پائی جاتیں۔ جیسے مرسڈیز کمپنی کی گاڑیاں یا توشیبا کے ٹیلی ویژن ہیں۔ اگر کوئی مرسڈیز گاڑی کے ماڈل نمبر ۲۰۰ کو ۱۹۹۴ء میں سلم کرنا چاہے تو یہ جائز ہونی چاہیے بلکہ میرے نزدیک گاڑیوں میں اس وقت تک سلم درست نہیں جب تک فیکٹری کا نام ذکر نہ کیا جائے۔ صرف یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ گاڑی پانچ سیٹوں والی

اور فلاں سال کا ماڈل ہو، کیونکہ قیمتوں کے فرق کی وجہ سے اس میں جہالت پائی جاتی ہے جو نزاع کا باعث بن سکتی ہے۔ گاڑیوں کے علاوہ دوسری بڑی فیکٹریوں جن کی پیداوار بازاروں میں عام ہے، کا بھی یہی حکم ہے۔ البتہ مخصوص زرعی فارم اور محدود پیداوار کے حامل کارخانے کا یہ حکم نہیں کیونکہ اس کی پیداوار بند بھی ہوسکتی ہے۔''

[البحوث الفقهية في قضايا الاقتصادية المعاصرة:۱/۱۹۴،۱۹۵]

علامہ سلیمان اشقر کے خیال میں بعض مالکی فقہا جیسے ابن شاس اور ابن الحاجب کے کلام سے بھی اس نقطہ نظر کی تائید ہوتی ہے۔ اُنہوں نے متعین باغ کے پھل میں سلم ناجائز ہونے کے ساتھ یہ شرط لگائی ہے کہ ''وہ باغ چھوٹا نہ ہو'' اور جانوروں میں یہ قید لگائی ہے کہ ''ان کا تعلق ایسی نسل سے نہ ہو جو کم پائی جاتی ہو'' اس کا مطلب ہے کہ باغ اگر بڑا اور جانور کی نسل زیادہ پائی جاتی ہو تو اس میں سلم غیر متعین کی طرح ہی ہے۔

مزید لکھتے ہیں کہ بعض فقہا کے اس کلام کہ ''بڑی بستی کے پھل میں سلم جائز ہے، لیکن اگر چھوٹی ہو تو پھر جائز نہیں۔'' سے بھی اس کو تقویت ملتی ہے۔ (ایضاً)

نوٹ: شیئرز کے سودوں میں چونکہ کمپنی کا نام ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے جس سے اس کی حیثیت متعین چیز میں سلم کی ہو جاتی ہے جو ناجائز ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ جب سپردگی کا وقت آئے تو مارکیٹ میں اس کمپنی کے شیئرز دستیاب ہی نہ ہوں لہٰذا شیئرز میں بیع سلم درست نہیں۔

سَلَم اور اِسْتِصْنَاع میں فرق

استصناع کا معنی ہے: آڈر پر کوئی چیز تیار کروانا۔ اہل حدیث علما کی رائے میں یہ سلم کی ہی ایک ذیلی قسم ہے جس کا تعلق ایسی اشیا سے ہے جو آڈر پر تیار کروائی جاتی ہیں اور اس میں پابندیاں قدرے نرم ہیں۔ مثلاً اس میں پوری قیمت پیشگی ادا کرنا ضروری نہیں۔

ڈاکٹر علی احمد سالوسؒ لکھتے ہیں:

الاستصناع عند المالكية والشافعية والحنابلة جزء من السلم لا يصح إلا بشروطه وهو عند الحنفية عدا زفر عقد مستقل له شروطه وأحكامه الخاصة (موسوعة القضايا الفقهية المعاصرة والاقتصاد الاسلامي:ص۸۴۲)

''مالکیوں، شافعیوں اور حنبلیوں کے نزدیک استصناع سلم کی ہی ایک قسم ہے جو

سلم کی شرطوں کے بغیر درست نہیں ہوتی۔ البتہ امام زفر کے علاوہ باقی حنفیوں کے نزدیک یہ ایک مستقل عقد ہے جس کی اپنی شرطیں اور خاص احکام ہیں۔''

سلم میں رَہن اور ضمانت طلب کرنا

بیع سلم میں بیچی گئی چیز چونکہ فروخت کنندہ کے ذمہ اُدھار ہوتی ہے لہٰذا خریدار حوالگی یقینی بنانے کے لئے رہن یا گارنٹی کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ ہم اوپر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالے سے بیان کرآئے ہیں کہ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر۲۸۲:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ﴾

''اے ایمان والو! جب تم آپس میں مقرر وقت تک ادھار کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔''

میں بیع سلم بھی شامل ہے جبکہ اس سے بعد والی آیت میں اُدھار میں رہن کی اجازت دی گئی ہے۔ یعنی سلم میں رہن کا جواز قرآن سے ثابت ہے۔ امام بخاریؒ نے اس کے حق میں بایں الفاظ بَابُ الرَّهْنِ فِي السَّلَمِ ''سلم میں رہن کا ثبوت'' عنوان قائم کیا ہے اور یہ روایت ذکر کی ہے کہ اعمشؒ کہتے ہیں:

تَذَاكَرْنَا عِنْدَ إِبْرَاهِيمَ الرَّهْنَ فِي السَّلَفِ فَقَالَ حَدَّثَنِي الأَسْوَدُ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اشْتَرَى مِنْ يَهُودِيٍّ طَعَامًا إِلَىٰ أَجَلٍ مَعْلُومٍ، وَارْتَهَنَ مِنْهُ دِرْعًا مِنْ حَدِيدٍ (صحیح بخاری:۲۰۹۳)

''ہم نے ابراہیم کے پاس سلم میں رہن کے متعلق گفتگو کی تو اُنہوں نے فرمایا: مجھے اَسود نے حضرت عائشہؓ سے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے ایک یہودی سے متعین مدت کے لئے غلہ خریدا اور اس کے پاس لوہے کی زرہ گروی رکھی۔''

سلم میں قبضہ کی مدت

چونکہ حدیث وسنت میں بیع سلم میں قبضہ کی کم ازکم مدت کے متعلق کوئی صراحت نہیں ملتی اسلئے اس بارے میں فقہا میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ایک گھڑی کی مہلت بھی کافی ہے جبکہ بعض نصف یوم، بعض دو یا تین اور بعض پندرہ دن کے قائل ہیں۔ (عمدۃ القاری:۸/۵۸۱)

علامہ ابن قدامہؒ کی رائے میں کم ازکم اتنی مدت ہونی چاہیے جس کا قیمتوں پر مناسب اثر پڑتا ہو اور وہ مدت ایک مہینہ یا اس کے قریب ہے۔ (المغنی:۶/۴۰۴)

صحیح بات یہ ہے کہ فریقین کو باہمی رضامندی سے کوئی بھی مدت مقرر کرنے کا اختیار ہے۔

☆ ایک تو اس لیے کہ ذخیرۂ احادیث میں نبی کریم ﷺ سے کم از کم مدت کے متعلق کوئی روایت منقول نہیں۔

☆ دوسرا اس لیے کہ سلم کی اجازت کا مقصد لوگوں کو سہولت دینا ہے اور یہ مقصد تب ہی حاصل ہوسکتا ہے جب مدت کی پابندی نہ ہو۔

حوالگی میں تاخیر پر جرمانہ

سلم میں بیچی گئی چیز چونکہ فروخت کنندہ کے ذمے دَین (اُدھار) ہوتی ہے جس میں تاخیر پر جرمانہ صریح سود شمار ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے:

مَنْ أَسْلَفَ سَلَفًا فَلاَ يَشْتَرِطْ إِلاَّ قَضَاءَهُ

(مؤطا امام مالک، باب مالا یجوز من السلف: ۱۳۸۸)

''جو بیع سلم کرے، وہ ادائیگی کے علاوہ کوئی شرط عائد نہ کرے۔''

اسلامی بینکوں کی رہنمائی کے لئے مرتب کردہ شریعہ سٹینڈرز میں ہے:

لَا يَجُوْزُ الشَّرْطُ الْجُزَائِيْ عَنِ التَّأْخِيْرِ فِيْ تَسْلِيْمِ الْمُسْلَمِ فِيْهِ (ص۱۶۲)

''جس چیز میں سلم کا سودا ہوا ہو، اس کی تاخیر پر شرطِ جزائی جائز نہیں۔''

صفحہ ۱۷۰ میں ممانعت کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جس چیز کا سودا ہوا ہے، وہ بیچنے والے کے ذمہ دَین ہے جس پر اضافہ کی شرط سود شمار ہوتی ہے۔ اگر فروخت کنندہ تنگ دستی کی وجہ سے بروقت چیز مہیا نہ کر سکے تو اس کو آسانی ہونے تک موقع دیا جائے گا۔

اگر مطلوبہ چیز کی پیداوار کم ہونے یا بازار میں دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے بائع کے لئے بروقت سپردگی ممکن نہ ہو تو خریدار کے پاس اختیار ہے کہ وہ:

☆ بازار میں آسانی سے دستیاب ہونے کا انتظار کرے۔ یا

☆ سودا ختم کر کے اپنی رقم وصول کر لے۔ (المعاییر الشرعیة: ص۱۶۲)

اگر عمداً تاخیری حربے استعمال کرے تو خریدار اس کی گارنٹی بیچنے کا حق رکھتا ہے، ایسی صورت میں خریدار کے پاس دو ہی اختیار ہوں گے:

☆ گارنٹی سے حاصل شدہ رقم سے اس قسم کی چیز بازار سے خرید لے۔

☆ یا اپنی اصل رقم وصول پالے۔

لیکن اضافی رقم خواہ جرمانے کے نام پر ہی کیوں نہ ہو، وصول نہیں کی جاسکتی۔بعض حضرات کی رائے میں اگر جرمانہ کی رقم قرض خواہ یا اُدھار دینے والے کی آمدن کا حصہ نہ بنے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔لیکن یہ رائے صائب نہیں، کیونکہ شرعاً قرض یا اُدھار پر مشروط اضافہ سود کے زمرہ میں داخل ہے، اس میں آمدن کا حصہ بننے یا نہ بننے کی شرط نہیں۔

قبضہ سے پہلے بیچنا

سلم کے ذریعے خریدی گئی چیز جب تک خریدار کے قبضہ میں نہ آجائے، اس کو آگے فروخت کرنا منع ہے۔کیونکہ یہ دَین ہے جس کو بیچنا شرعاً درست نہیں۔علاوہ ازیں احادیث میں قبضہ سے قبل فروخت کی ممانعت ہے۔چنانچہ علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:

أَمَّا بَيْعُ الْمُسْلَمِ فِيهِ قَبْلَ قَبْضِهِ فَلَا نَعْلَمُ فِي تَحْرِيمِهِ خِلَافًا، وَقَدْ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعِ الطَّعَامِ قَبْلَ قَبْضِهِ وَعَنْ رِبْحِ مَا لَمْ يُضْمَنْ وَلِأَنَّهُ مَبِيعٌ لَمْ يَدْخُلْ فِي ضَمَانِهِ، فَلَمْ يَجُزْ بَيْعُهُ كَالطَّعَامِ قَبْلَ قَبْضِهِ (المغنی:۹/۶۸)

''سلم کے ذریعے خریدی گئی چیز کو قبضے سے قبل فروخت کرنے کی حرمت میں ہم کسی اختلاف کا علم نہیں رکھتے۔بلاشبہ نبی ﷺ نے قبضے سے قبل غلے کی بیع سے منع فرمایا ہے۔اور اس چیز کے نفع سے بھی منع فرمایا ہے جس کا رِسک نہ اُٹھایا گیا ہو۔اور یہ چیز تو ابھی اس کے رسک میں نہیں آئی لہٰذا اس کی بیع جائز نہیں جس طرح کے غلے کی بیع قبضے سے قبل جائز نہیں۔''

نوٹ:اس چیز کی فروخت کا ایسا وعدہ جس کی پابندی دونوں یا کسی ایک فریق کے لئے لازمی ہو، وہ بھی اس ممانعت میں شامل ہیں۔

تجارت میں سلم کا استعمال

کیا سلم کی اجازت صرف کاشتکاروں اور اشیا تیار کرنے والوں کو ہے یا سپلائرز بھی اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں؟اس بارے میں دو نقطہ نظر ہیں:

❶ اکثر علماء کی رائے میں یہ رعایت تاجروں کے لئے بھی ہے۔امام بخاریؒ بھی اسی نقطہ

نظر کے حامی ہیں چنانچہ اُنہوں نے اس کے حق میں باب السلم إلى من ليس عنده أصل ''ایسے شخص سے سلم کا معاملہ کرنا جس کے پاس اس چیز کی اصل نہ ہو'' کے عنوان سے ایک مستقل باب باندھا ہے اور استدلال کے لیے ذیل کی روایت لائے ہیں:

① قَالَ عَبْدُ اللهِ: كُنَّا نُسْلِفُ نَبِيطَ أَهْلِ الشَّأْمِ فِي الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالزَّيْتِ، فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مَعْلُومٍ قُلْتُ: إِلَىٰ مَنْ كَانَ أَصْلُهُ عِنْدَهُ قَالَ: مَا كُنَّا نَسْأَلُهُمْ عَنْ ذَٰلِكَ (صحیح بخاری:۲۰۸۸)

''حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں: ہم شام کے کاشتکاروں کے ساتھ گندم، جو اور تیل میں متعین پیمانے اور متعین مدت کے لئے سلم کا معاملہ کرتے: (محمد بن ابی مجالدؒ کہتے ہیں) میں نے پوچھا: کیا ان سے جن کے پاس ان چیزوں کی اصل ہوتی؟ اُنہوں نے فرمایا: ہم ان سے اس کے متعلق نہیں پوچھتے تھے۔''

حضرت عبداللہؓ کا مطلب ہے کہ ہم ان سے یہ نہیں پوچھتے تھے کہ تمھارے پاس گندم یا جو کی فصل ہے یا نہیں؟

② اس نقطہ نظر کے حق میں دوسری روایت یہ پیش کی جاتی ہے:

كُنَّا نُسْلِفُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ فِي الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالزَّبِيبِ أَوِ التَّمْرِ شَكَّ فِي التَّمْرِ وَالزَّبِيبِ وَمَا هُوَ عِنْدَهُمْ أَوْ مَا نَرَاهُ عِنْدَهُمْ (مسند احمد:۳۵۴/۴)

''ہم رسول اللہ ﷺ، ابو بکرؓ اور عمرؓ کے دور میں گندم، جو اور منقی یا کہا کہ کھجوروں میں (یعنی راوی کو یہ شک ہے کہ کھجور کا لفظ بولا یا منقیٰ کا) بیع سلم کرتے حالانکہ وہ چیز ان کے پاس نہیں ہوتی تھی یا کہا: ہم وہ ان کے پاس نہیں دیکھتے تھے۔''

اس نقطہ نظر کے قائلین کہتے ہیں کہ یہ روایات اس امر کا بین ثبوت ہیں کہ سلم کی اجازت سپلائر کے لئے بھی ہے۔

❷ دوسری رائے یہ ہے کہ سلم کی اجازت صرف کاشتکاروں اور مینوفیکچرز کو ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ کاشتکار اور چیز تیار کرنے والا جب سلم کے ذریعہ چیز بیچتا ہے تو غالب گمان یہی ہوتا ہے کہ مدتِ حوالگی کے وقت وہ چیز اس کے پاس موجود ہوگی یا اس کو

دوسرے سے خریدنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، گویا وہ اپنی ملکیتی چیز بیچ رہا ہے۔ اس کے برعکس سپلائر جب سلم کا معاہدہ کرتا ہے تو وہ چیز اس کے پاس موجود نہیں ہوتی۔ جبکہ شریعت نے غیر ملکیتی چیز کا سودا کرنے پر پابندی لگائی ہے۔ حضرت حکیم بن حزامؓ فرماتے ہیں:

سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! يَأْتِينِي الرَّجُلُ فَيَسْأَلُنِي الْبَيْعَ لَيْسَ عِنْدِي أَبِيعُهُ مِنْهُ ثُمَّ أَبْتَاعُهُ لَهُ مِنَ السُّوقِ؟

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی شخص ایسی چیز بیچنے کو کہتا ہے جو میرے پاس نہیں ہوتی۔ کیا میں اس کو بیچ دوں پھر وہ بازار سے خرید کر اس کو دے دوں؟''

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ» (سنن نسائی: ۴۶۱۳)

''جو چیز تیرے پاس نہیں، وہ فروخت نہ کر۔''

ان حضرات کے خیال میں حضرت حکیمؓ کا سوال تجارت میں سلم کے متعلق ہی تھا مگر آپ نے اس کی اجازت نہ دی اور نہ ہی آپؐ نے یہ فرمایا کہ اگر اس کی صفات بیان کر دی گئی ہوں تو پھر جائز ہے۔ ان حضرات کی تحقیق میں جو روایات اوّل الذکر فریق نے پیش کی ہیں، وہ ان کے موقف کے ثبوت کے لئے ناکافی ہیں۔ پہلی روایت کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ خریدار کو فروخت کنندہ سے یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں کہ آپ کے پاس کھیتی یا باغ ہے یا نہیں؟

(بحوث فی فقہ المعاملات المالیہ: ص ۱۳۴، ۱۳۷، ۱۳۹ از ڈاکٹر رفیق یونس مصری)

ان حضرات کی طرف سے دوسری روایت کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ جو چیز سلم میں فروخت کی جا رہی ہے، اس کا معاہدے کے وقت پایا جانا ضروری نہیں جیسا کہ بعض فقہا کی رائے ہے کہ وہ چیز معاہدہ طے پانے کے دن سے قبضہ کے دن تک بازار میں دستیاب ہو۔

جو حضرات سپلائرز کو سلم کی اجازت دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے فرمان ''جو چیز تیری ملکیت میں نہیں، اس کو فروخت نہ کر'' سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تاجر سلم سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ اس ارشاد کا معنی صرف یہ ہے کہ ایسی متعین چیز فروخت نہ کر جو تیرے قبضہ میں نہ ہو

بلکہ غیر کی ملکیت ہو۔ چنانچہ امام ابن قیمؒ اس کی تشریح میں رقم طراز ہیں:

وَأَمَّا قَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ لِحَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ «لَا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ» فَيُحْمَلُ عَلَى مَعْنَيَيْنِ: أَحَدُهُمَا أَنْ يَبِيعَ عَيْنًا مُعَيَّنَةً وَهِيَ لَيْسَتْ عِنْدَهُ بَلْ مِلْكٌ لِلْغَيْرِ، فَيَبِيعُهَا ثُمَّ يَسْعَى فِي تَحْصِيلِهَا وَتَسْلِيمِهَا إِلَى الْمُشْتَرِي وَالثَّانِي أَنْ يُرِيدَ بَيْعَ مَا لَا يَقْدِرُ عَلَى تَسْلِيمِهِ وَإِنْ كَانَ فِي الذِّمَّةِ

''حکیمؓ بن حزام سے نبی ﷺ کا یہ فرمانا کہ ''جو چیز تیری ملکیت میں نہیں وہ فروخت نہ کر۔'' اس کو دو معنوں پر محمول کیا جائے گا:

① انسان ایسی متعین چیز بیچے جو اس کے پاس موجود نہ ہو بلکہ غیر کی ملکیت ہو۔ آدمی پہلے اس کو بیچے پھر حاصل کر کے مشتری کے حوالے کرنے کی کوشش کرے۔

② ایسی چیز کا سودا کرے خواہ ذمہ داری اٹھائے جس کو (مشتری کے) حوالے نہ کر سکتا ہو۔''

(اعلام الموقعین: ۴۶/۲)

بیع سلم میں دونوں باتیں نہیں ہوتیں، کیونکہ یہاں تو صرف بیان شدہ صفات کے مطابق ایک چیز فروخت کرنے کی ذمہ داری قبول کی جاتی ہے۔

اسلامی بینکوں میں سلم کا استعمال

بلا شبہ سلم ایک بہترین غیر سودی طریقہ تمویل ہے جو عصر حاضر میں بھی لوگوں خصوصاً کاشتکاروں اور مینوفیکچرز کی مالی ضرورتیں پوری کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے اور بعض اسلامی بینک اس سے فائدہ بھی اُٹھا رہے ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں اسلامی بینک اس کی عملی تطبیق گڑبڑ کرتے ہیں جس سے یہ معاملہ شرعی اُصول کے مطابق نہیں رہتا۔ وہ یوں کہ

مثلاً گنے کے سیزن میں شوگر ملوں کو گنا خریدنے کے لئے رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ مل مالکان چاہتے ہیں کہ ہمارا مقصد بھی پورا ہو جائے اور ہم سود سے بھی محفوظ رہیں، اب وہ اسلامی بینک کی طرف رجوع کرتے ہیں اور بینک اس شرط پر رقم فراہم کرتا ہے کہ آپ نے ہمیں اس کے عوض فلاں تاریخ تک اتنی چینی مہیا کرنی ہے یعنی بینک سلم کا معاہدہ کر لیتا ہے۔

شوگر ملز کی طرف سے فراہمی یقینی بنانے کے لیے بینک ضمانت بھی طلب کرتا ہے چونکہ بینک کاروباری ادارہ نہیں جو آگے بیچنے کے لیے گاہک تلاش کرتا پھرے۔ اس لئے معاہدے

کے وقت ہی یہ بھی طے کرلیا جاتا ہے کہ مل مالک بینک کے وکیل کی حیثیت سے یہ چینی مارکیٹ میں اس قیمت پر فروخت کر کے رقم بینک کے سپرد کرے گا۔ بعض دفعہ معاہدے کے وقت اس کی صراحت نہیں ہوتی مگر فریقین کے ذہن میں یہی ہوتا ہے۔ اگر شوگر مل بروقت چینی فراہم نہیں کرتی تو بینک دی گئی رقم کے فیصد کے حساب سے جرمانہ وصول کرتا ہے جو بینک کی زیرنگرانی قائم خیراتی فنڈ میں جمع کروایا جاتا ہے۔

اب یہاں بینک کا خود قبضہ کرنے کی بجائے فروخت کنندہ کو ہی وکیل بنانا شرعی اُصول کے خلاف ہے۔ چنانچہ علماء احناف کے سرخیل علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

وَلَوْ قَالَ رَبُّ السَّلَمِ لِلْمُسْلَمِ إِلَيْهِ: كُلُّ مَا لِيْ عَلَيْكَ مِنَ الطَّعَامِ فَاعْزِلْهُ فِي بَيْتِكَ أَوْ فِي غَرَائِرِكَ فَفَعَلَ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ رَبُّ السَّلَمِ قَابِضًا بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِ اقْبِضْهُ لِي بِيَسَارِكَ مِنْ يَمِيْنِكَ وَهَذَا لِأَنَّ الْمُسْلَمَ فِيهِ دَيْنٌ عَلَى الْمُسْلَمِ إِلَيْهِ وَالْمَدْيُوْنُ لَا يَصْلُحُ أَنْ يَكُوْنَ نَائِبًا عَنْ صَاحِبِ الدَّيْنِ فِيْ قَبْضِ الدَّيْنِ مِنْ نَفْسِهِ (المبسوط:۱۵/۱۰۱)

''خلاصہ یہ کہ سلم کے ذریعے بیچی گئی چیز فروخت کنندہ کے ذمہ اُدھار ہوتی ہے اور جس کے ذمہ اُدھار ہو وہ خود اپنی ذات سے اس کی وصولی کے لئے اس شخص کا وکیل نہیں بن سکتا جس کا اس کے ذمہ اُدھار ہو۔''

علامہ ڈاکٹر محمد سلیمان اشقر سَلَم سے اسلامی بینکوں کے فائدہ اُٹھانے کے طریقہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الطريقة الثانية: أن يوكل المصرف البائع (المسلم إليه) بتسويق البضاعة بأجر أو دون أجر فإن كان باتفاق معه مسبق مربوط بعقد السلم نفسه فإن ذلك باطل لا يجوز، لأنه من باب جمع عقدين في عقد واحد وكذا لو كان الأمر متفاهما عليه أن يتم بهذه الصورة

(بحوث فقهیہ فی قضایا اقتصادیہ معاصرہ:۱/۲۱۴)

''دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بینک چیز کی مارکیٹنگ کے لئے فروخت کنندہ کو ہی اپنا وکیل مقرر کردے خواہ اس کی اُجرت دے یا بغیر اُجرت کے۔ تو اگر یہ وکالت پہلے سے عقد سلم سے

مربوط ایگریمنٹ کے ذریعے ہو تو یہ عمل باطل ہوگا جو جائز نہیں، کیونکہ یہ ایک عقد میں دو عقد جمع کرنے کے مترادف ہے اور اگر (ایگریمنٹ تو نہ ہو مگر) پہلے ہی سے ذہن میں یہ ہو کہ معاملہ اس طرح تکمیل کو پہنچے گا تو پھر بھی یہ جائز نہیں۔"

سلم متوازی

یہاں یہ بتا دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی بینکوں میں سلم سے فائدہ اُٹھانے کا جو طریقہ اسلامی بینکنگ کے ماہرین نے تجویز کیا ہے اس کو سلم متوازی کہتے ہیں۔ یعنی بینک کسی تیسرے فریق کے ساتھ سلم کا معاہدہ کرلے جس کی تاریخِ ادائیگی پہلی سلم والی ہی ہو۔

متوازی سلم میں مدت کم ہونے کی وجہ سے قیمت زیادہ ہوگی اور یوں دونوں قیمتوں میں فرق بینک کا نفع ہوگا۔ مگر ہمارے ہاں اسلامی بینکوں میں یہ طریقہ شاذ و نادر ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ زیادہ تر فروخت کنندہ کو ایجنٹ بنانے کا طریقہ ہی اختیار کیا جاتا ہے جو شرعاً درست نہیں۔

اسلامی بینکاری نظام اور اسلامی ٹی وی چینلز بھی ناجائز ہیں، علماء کا فتویٰ

ان بینکوں کے ساتھ معاملات حرام ہیں، علماء کی ٹی وی پروگراموں میں شرکت اور اسے تبلیغ دین کی ضرورت کہنا خلاف شریعت ہے

کراچی (جمشید بخاری..... اسٹاف رپورٹر) فقہی مجلس کراچی کے جید علماء کرام مفتیان کرام اور مشائخ عظام نے کسی بھی نام سے اسلامی بینکاری کے مروجہ نظام کو غیر شرعی اور حرام قرار دیتے ہوئے فتاویٰ جاری کیا ہے کہ اسلامی بینکاری کے نام سے کام کرنے والے بینکوں کی مثال دیگر سودی بینکوں کی سی ہے اور ان بینکوں کے ساتھ معاملات ناجائز اور حرام ہیں۔ جمعرات کو جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی میں تنظیمات المدارس کے صدر اور وفاق المدارس کے صدر مولانا سلیم اللہ خان کی زیر صدارت اجلاس میں ملک بھر سے آئے ہوئے جید مفتیان کرام نے شرکت کی۔ اجلاس میں اسلامی ٹیلی ویژن چینلز کی بھی شرعی حیثیت پر طویل غور وخوض کیا گیا، علمائے کرام نے اپنے اپنے دارالافتاء میں موصولہ سوالات اور مسائل کی روشنی میں کی جانے والی تحقیقات اور تجربات بیان کئے۔ بعض علمائے کرام کی جانب سے اس ضمن میں تحقیقی مقالہ جات بھی پیش کئے گئے۔ وفاق المدارس کے صدر مولانا سلیم اللہ خان نے 'جنگ' سے اس موقع پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ علمائے کرام بینکوں کو اطلاع کرکے باقاعدہ ان سے رابطے کرتے رہے جو اسلامی بنیادوں پر قائم ہونے کے دعویدار ہیں، ان رابطوں کی بنیاد پر حاصل ہونے والی معلومات کے بعد اسلامی شرعی اصلاحات کے حوالے سے رائج ہونے والی بینکاری کے معاملات کا قرآن وسنت کی روشنی میں ایک عرصے تک جائزہ لیا گیا، اس دوران جدید معاشیات کے ماہرین کے ساتھ بھی مختلف نشستیں ہوئیں۔ مروجہ اسلامی بینکوں کے کاغذات، فارم اور اصولوں پر بھی غور وخوض کیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اکابر فقہا کی تحریروں سے بھی استفادہ کیا جاتا رہا جس کے بعد مفتیان کرام نے متفقہ طور پر اسلامی بینکاری اور اسلامی ٹی وی چینلز کو ناجائز قرار دیا ہے اور اس بات سے اتفاق رائے ظاہر کیا ہے کہ جاندار تصویری جتنی شکلیں اب تک متعارف ہوئی ہیں وہ تصویر کے حکم میں ہیں اس لئے تصویر کے جواز کا راستہ اختیار کرتے ہوئے کسی قسم کے ٹی وی چینل کے اجراء یا علمائے کرام کے ٹی وی پروگراموں میں شرکت اور اسے تبلیغ دین کی ضرورت کہنے سمجھنے کو شریعت کی خلاف ورزی قرار دیا گیا ہے۔

علمائے کرام نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ دیگر غیر شرعی امور کی طرح اس سے بھی بچنے کا بھرپور اہتمام کریں۔ اجلاس میں جامعۃ العلوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن سے مفتی عبدالحمید دین پوری، جامعہ اسلامیہ کلفٹن سے مفتی حبیب اللہ شیخ، بنوری ٹاؤن سے مفتی رفیق احمد، مفتی سیف عالم خیر المدارس ملتان سے مفتی عبداللہ، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے مفتی غلام قادر، جامعہ خلفائے راشدین کراچی سے مفتی احمد ممتاز، جامعہ احسن العلوم سے مفتی زرولی خان، جامعہ رشیدیہ تربت مکران بلوچستان سے مفتی احتشام الحق، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سے مولانا سعید احمد جلال پوری، جامعہ فاروقیہ سے مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل، دارالعلوم کبیر والا سے مفتی حامد حسن، جامعہ اشرفیہ سکھر سے مفتی عبدالغفار، جامعہ علمیہ کلی مروت سرحد سے مفتی سعد الدین، جامعہ رحیمیہ سرکی روڈ کوئٹہ سے مفتی گل حسن، دارالافتاء ربانیہ کوئٹہ سے مفتی روزی خان، دارالہدیٰ خیرپور سے مفتی قاضی سلیم اللہ، جامعہ فاروق اعظم فیصل آباد سے نذیر احمد شاہ، جامعہ عربیہ نعیم الاسلام کوئٹہ سے مفتی سعد اللہ، جامعہ فاروقیہ سے مفتی سمیع اللہ، مفتی احمد خان اور دیگر نے شرکت کی۔

بلا تبصرہ: روزنامہ جنگ کراچی، لاہور میں مورخہ ۲۹/اگست کو شائع ہونے والی خبر کا عکس